ہماری جماعت میں بکثرت حفاظ ہونے چاہئیں

از

سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

ہماری جماعت میں بکثرت حفاظ ہونے چاہئیں

(فرمودہ ۲۹/اپریل ۱۹۴۶ء بعد نماز مغرب بمقام قادیان)

پرسوں ایک دوست مجھ سے ملنے کے لئے آئے تو انہوں نے ذکر کیا کہ وہ اپنے لڑکے کو قرآن شریف حفظ کرانا چاہتے ہیں مگر کہا کہ جو دوست بھی ملتا ہے یہی کہتا ہے کہ ایسا نہ کیجئے بچے پر بوجھ پڑ جائے گا اور وہ بیمار ہو جائے گا۔ مَیں نے جواب دیا کہ شیطان تو ہمیشہ ہی نیک کام میں دخل دیا کرتا ہے آپ اسے بھی شیطانی وسوسہ سمجھ لیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ جہاں ہر جماعت میں کچھ لوگ شیطان کے قائمقام ہوتے ہیں وہاں مؤمن بھی بعض دفعہ اپنی کمزوری سے ایسے لوگوں کو دلیر کر دیتے ہیں۔ آخر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی عبداللہ بن ابی بن سلول جیسے لوگ ہوتے تھے اور وہ لوگ ایسی باتیں کرتے تھے جن کے نتیجہ میں دین کی تنظیم اور اس کی ترقی کے سامان پیدا نہ ہوں یا پیدا ہوں تو کوئی روک واقع ہو جائے اسی طرح آجکل بھی ایسے لوگ ہو سکتے ہیں۔ پھر بعض طبائع ایسی ہوتی ہیں جو دین کی ترقی کو دیکھ ہی نہیں سکتیں، بعض طبائع حسد رکھتی ہیں اور جب دیکھتی ہیں کہ کوئی شخص قرآن حفظ کر رہا ہے یا دین کی طرف توجہ کر رہا ہے تو وہ ڈرتے ہیں کہ اگر اسی طرح یہ طریق جاری رہا تو لوگ ہم پر الزام لگائیں گے کہ تمہارے حالات بھی تو ایسے ہی تھے تم نے یہ کام کیوں نہ کیا۔ اس وجہ سے ان کے دلوں میں حسد کی آگ بھڑک اُٹھتی ہے اور اس ڈر سے کہ ہم پر کوئی الزام عائد نہ کرے وہ چاہتے ہیں کہ دوسروں کو نیک کام کرنے سے ورغلا دیں۔

جب آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی تو شیطان کو غصہ آیا کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا مقرب ہو گیا اور مَیں نہیں ہوا اور اُس نے چاہا کہ کسی طرح اِس سے بھی نافرمانی کرائیں۔

چنانچہ آدمؑ اور شیطان والا قصہ ہمیشہ دُہرایا جاتا ہے۔ آخر ہر شخص آدمؑ کی اولاد میں سے ہے پھر یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ اسے آدمؑ کا ناک تو ملے، آنکھ تو ملے، کان تو ملے، دھڑ تو ملے غرض سب چیزیں اسے آدمؑ کی ملیں مگر آدمؑ کا شیطان اسے نہ ملے یا آدمؑ کے فرشتے اسے نہ ملیں۔ جب اسے آدمؑ کی ہر چیز ملی ہے تو ضروری تھا کہ اسے آدمؑ کا فرشتہ اور آدمؑ کا شیطان بھی ملتا۔ چنانچہ دنیا میں ہزاروں لوگوں کو کچھ نیک صلاح دینے والے مل جاتے ہیں، کچھ بد صلاح دینے والے مل جاتے ہیں۔ جو آدمؑ کے نقش قدم پر چلنے والا ہوتا ہے۔ **فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا** [۱] کے مطابق اگر کبھی غلطی سے اس کی بات مان بھی لے تو بعد میں ہوشیار ہو جاتا ہے اور اس کے اصل تعلقات فرشتے سے ہی رہتے ہیں لیکن جس کے اندر آدمیّت کم ہوتی ہے قدرتی طور پر وہ شیطان کی طرف جھک جاتا ہے۔ مگر جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے اس میں کچھ حصہ مؤمنوں کی کمزوری کا بھی ہوتا ہے۔ مؤمن بھی ایسی باتیں سن کر جرأت نہیں کرتے کہ دوسرے کو سمجھائیں ورنہ اگر ذرا بھی جرأت سے کام لیں تو دوسرے کو کبھی ورغلانے کی جرأت نہ ہو۔

مَیں نے پہلے بھی قصہ سنایا ہے کہ ضلع گجرات کے پانچ بھائی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں یہاں آیا کرتے تھے، مدت تک رہتے اور محبت سے سلسلہ کی باتیں سنتے۔ قادیان کے مقدس مقامات کی وسعتِ شان اور عظمت جس کو اب لوگ دیکھتے اور اس طرح آنکھیں بند کر کے گزر جاتے ہیں کہ ان کو احساس بھی نہیں ہوتا کہ ہم کسی نشان کے پاس سے گزر رہے ہیں اُس زمانہ میں نہیں تھی مگر پھر بھی آنے والے چھوٹی چھوٹی باتوں سے اپنے ایمانوں کو تازہ کر لیا کرتے تھے۔ اب تو منارۃ المسیح ہے، مسجد اقصیٰ ہے، بہشتی مقبرہ ہے اور قدم قدم پر انسان کے ایمان کو تازہ کرنے والے نشانات موجود ہیں مگر اُس زمانہ میں صرف ایک چھوٹی سی مسجد تھی جس میں نماز پڑھی جاتی تھی۔ اب بھی یہ مسجد چھوٹی ہی کہلاتی ہے حالانکہ بہت سے قصبوں کی جامع مسجدوں کے برابر ہے مگر پہلے واقعہ میں چھوٹی ہوا کرتی تھی اور فی صف صرف چھ آدمی پھنس پھنس کر آتے تھے۔ اگر پتلے آدمی ہوتے یا ان میں کوئی بچہ بھی شامل ہوتا تو سات بھی آ جاتے۔ اس مسجد میں چھ صفیں ہوا کرتی تھیں اور وہ بھی ایسی حالت میں جب کہ نمازی جوتیوں تک چلے جائیں اور مسجد پوری بھری ہوئی ہو گویا مسجد میں صرف ۳۶ آدمی آ سکتے تھے اور وہ بھی پھنس پھنس

کر۔ اگر کھلے طور پر کھڑے ہوتے تو اس سے بھی کم آتے۔ بچپن میں مَیں صفیں اور ان صفوں میں کھڑے ہونے والے آدمیوں کو گِنا کرتا تھا اور مَیں نے دیکھا ہے کہ بہت شاذ ایسا ہوتا کہ کسی صف میں سات آدمی ہوتے ورنہ بعض دفعہ چھ اور بعض دفعہ پانچ آدمی ہی ایک صف میں کھڑے ہوتے تھے۔ اب بھی وہ جگہ موجود ہے اور پرانی مسجد کے نشانات باقی ہیں اس میں کھڑے ہو کر دیکھ لو۔ بچے اگر کھڑے ہو جائیں تو ایک صف میں سات بچے آ سکتے ہیں اور اگر بڑے کھڑے ہوں تو چھ سے زیادہ کھڑے نہیں ہو سکتے اور وہ بھی پھنس کر کھڑے ہونگے۔ یہ مسجد ہوا کرتی تھی مگر اِسی کو دیکھ دیکھ کر لوگوں کے ایمان تازہ ہو جاتے تھے۔ وہ یہاں آتے، بیٹھتے اور ذکرِ الٰہی کرتے اور جب مسجد سے باہر نکلتے تو باغ میں چلے جاتے اور ایک دوسرے سے کہتے یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے والد صاحب کا باغ ہے۔ اُس زمانہ میں مقبرہ بہشتی نہیں ہوتا تھا اب تو لوگ مقبرہ بہشتی میں دعا کے لئے جاتے اور اپنے ایمان تازہ کرتے ہیں مگر اُن کا ایمان صرف باغ کو دیکھ کر ہی تازہ ہو جاتا تھا اور اُنہیں خدا تعالیٰ کی قدرت کا وہ نظارہ نظر آنے لگتا تھا جو آجکل کے لوگوں کو بڑے بڑے نشانات دیکھ کر بھی نہیں آتا۔ وہ ۳۶ آدمیوں کی مسجد کو دیکھ کر کہتے کہ ہمارے خدا میں کتنی بڑی طاقت ہے۔ کجا یہ حالت تھی کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ایک آدمی بھی نہیں تھا اور کجا یہ حالت ہے کہ ۳۶ آدمی مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے آتے ہیں۔ اسی طرح وہ مسجد اقصیٰ کو دیکھتے تو ان کے ایمان اور زیادہ تازہ ہو جاتے اور کہتے اَللّٰہُ اَکْبَرُ ہماری ایک جامع مسجد بھی ہے۔ اُن کو یہی بڑا نشان نظر آتا تھا کہ ہماری پانچ وقتہ نماز کیلئے الگ مسجد ہے اور جمعہ پڑھنے کے لئے الگ مسجد ہے۔ یہ دوست جن کا مَیں ذکر کر رہا ہوں جب یہاں آئے تو تین یا تین سے زیادہ تھے ان میں سے ایک بھائی جلدی جلدی آگے چلا جا رہا تھا اور تین چار پیچھے تھے یا ایک آگے تھا اور دو تین پیچھے تھے۔ ہمارے ایک ماموں تھے مرزا علی شیر صاحب جو مرزا سلطان احمد صاحب کے خسر تھے جہاں اب دارالضعفاء ہے وہاں ان کی زمین ہوتی تھی اس زمین میں انہوں نے باغ لگایا اور ترکاریاں وغیرہ بو دیں۔ یہی ان کا شغل تھا کہ وہ ہر وقت وہاں بیٹھے رہتے۔ باغ کی نگرانی رکھتے اور ترکاریوں وغیرہ کو دیکھتے رہتے۔ ساتھ ساتھ ایک لمبی تسبیح جو اِن کے ہاتھ میں ہوتی تھی اس پر ذکر بھی کرتے چلے جاتے

تھے۔ وہ پیری مُریدی کیا کرتے تھے مگر بالکل ابوجہل کے نقشِ قدم پر تھے جس طرح ابوجہل کو جب کوئی ایسا آدمی ملتا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر سن کر مکہ میں آیا ہوتا تو وہ اس سے ملتا اور کہتا کہ یہ تو محض دکانداری ہے اگر اس کے اندر کچھ بھی صداقت ہوتی تو مَیں نہ مانتا مَیں تو اس کا رشتہ دار ہوں۔ اسی طرح مرزا علی شیر صاحب کو جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ماننے والوں میں سے کوئی مل جاتا تو وہ اسے ورغلانے کی کوشش کرتے اور کہتے تم کہاں پھنس گئے ہو مَیں انہیں خوب جانتا ہوں اور مجھے معلوم ہے کہ یہ محض مکر اور فریب سے ایک دکان نکال لی گئی ہے ورنہ سچائی کہاں ہے اگر سچائی ہوتی تو مَیں قبول نہ کرتا۔ مَیں تو ان کا رشتہ دار ہوں۔ وہ سارے بھائی مل کر چونکہ باغ کی طرف جا رہے تھے اور ایک ان میں سے آگے آگے تھا اس لئے مرزا علی شیر صاحب نے جب اُس کو دیکھا تو آواز دی کہ بھائی صاحب! ذرا اِدھر تشریف لائیے۔ وہ آئے تو اس کو بٹھا کر انہوں نے تقریر شروع کر دی اور کہا کہ کیا آپ مرزا صاحب سے ملنے آئے ہیں؟ اُنہوں نے جواب دیا کہ ہاں۔ مرزا علی شیر صاحب کہنے لگے دیکھئے! مَیں محض آپ کی بھلائی اور فائدہ کے لئے کہتا ہوں کہ آپ اِس خیال کو جانے دیں ہم آپ کے دلی خیر خواہ ہیں ہم آپ کو سچ سچ بتاتے ہیں کہ اس شخص نے محض ایک دکان نکال لی ہے اور آپ کا فائدہ اس میں ہے کہ اس کو چھوڑ دیں۔ جب وہ الفاظ کو خوب سجا سجا کر تقریر کر چکے تو انہوں نے بڑے جوش سے مرزا علی شیر صاحب کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا اور کہا اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ۔ مجھے تو آپ کے ملنے کا بڑا اشتیاق تھا اچھا ہوا کہ آپ کی ملاقات نصیب ہو گئی۔ مرزا علی شیر صاحب دل میں بڑے خوش ہوئے کہ آج خوب شکار ہاتھ آیا۔ وہ اسی طرح ان کے ہاتھ کو پکڑ کر بیٹھے رہے پھر انہوں نے زور سے اپنے بھائیوں کو آوازیں دینی شروع کیں کہ جلدی آنا، ایک نہایت ضروری کام ہے۔ وہ بھاگے بھاگے آئے تو انہوں نے دیکھا کہ ان کے بھائی نے مرزا علی شیر صاحب کا ہاتھ پکڑا ہوا ہے اور مرزا علی شیر صاحب کا چہرہ خوشی سے تمتما رہا ہے کہ آج خدا نے کیسے اچھے لوگوں سے میری ملاقات کرائی ہے جب وہ قریب آئے تو انہوں نے پوچھا کہ بتائیں کیا کام تھا؟ وہ کہنے لگے بات یہ ہے کہ ہم قرآن مجید میں روزانہ پڑھتے تھے اور اپنے مولویوں سے بھی سنتے تھے کہ دنیا میں ایک شیطان ہوا کرتا ہے مگر ہم نے اُسے کبھی دیکھا نہیں تھا

آج خدا نے ہماری حسرت بھی پوری کر دی تو یہ سامنے شیطان بیٹھا ہے اسے خوب اچھی طرح دیکھ لو خدا نے بڑی مدت کے بعد ایسا اچھا موقع ہمیں نصیب کیا ہے کہ شیطان ہم نے دیکھ لیا ہے۔ اب یا تو وہ بڑے شوق سے انہیں اپنے پاس بٹھا کر اس طرح خاموش ان کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیٹھے تھے جس طرح ایک بزرگ بیٹھا ہوتا ہے اور یا جب انہوں نے یہ بات سُنی تو ہاتھ چھڑانے لگ گئے مگر وہ نہ چھوڑیں اور یہی کہتے جائیں کہ بڑی مدت سے خواہش تھی کہ شیطان کو دیکھیں سو آج خدا نے ہماری یہ خواہش بھی پوری کر دی اور ہم نے شیطان کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ تو اِس قسم کے لوگ ہمیشہ ہوتے رہتے ہیں۔ اگر وہ بات سن کر اُٹھ کر چلا جاتا تو وہ اثر نہ ہوتا جو اس صورت میں اُس پر ہوا ہوگا۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ اس کے بعد چار پانچ ماہ تک انہوں نے کسی کو آواز نہیں دی ہوگی کہ آؤ اور میری بات سن جاؤ۔ اگر سارے مؤمن ایسی ہی غیرت دکھلائیں اور جب کوئی شخص انہیں ورغلانے کی کوشش کرے تو وہ بلند آواز سے أَعُوْذُ پڑھ کر اور بائیں طرف تھوک کر کہیں کہ قرآن کریم نے ہمیں یہی ہدایت دی ہے کہ جب تمہارے پاس شیطان آئے تو تم أَعُوْذُ پڑھ لیا کرو تو مَیں سمجھتا ہوں ایسے منافق کو بات کرنے کی جرأت ہی نہ ہو۔ وہ اسی وقت جرأت کرتا ہے جب سمجھتا ہے کہ منافق یا کمزور آدمی میری بات سن کر ہنستا رہے گا۔ اگر اس میں سچی غیرت ہو تو دوسرے شخص کو جرأت ہی نہیں ہوسکتی کہ اس سے ایسی باتیں کرے۔ بے غیرتی دوسروں میں بھی بے غیرتی پیدا کر دیتی ہے اور غیرت دوسروں میں بھی غیرت پیدا کر دیتی ہے۔

مجھے یاد ہے مَیں چھوٹا بچہ تھا کہ مَیں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پیچھے پڑ کر اپنے لئے ہوائی بندوق منگوائی۔ مجھے شکار کا شوق تھا ایک دن ہم اَور بچوں کو اپنے ساتھ لے کر عیدگاہ کی طرف جو راستہ جاتا ہے اُس طرف شکار کے لئے گئے اور ناتھ پور کے قریب جا پہنچے وہ سکھوں کا گاؤں ہے ہم اِرد گرد شکار کے لئے کوئی فاختہ تلاش کر رہے تھے کہ ایک سکھ نوجوان دَوڑا دَوڑا آیا اور اس نے کہا یہاں کیا ہے چلو میں شکار بتاتا ہوں۔ چنانچہ وہ ہمیں اپنے گھر لے گیا وہاں کیکر یا بیری کا ایک درخت تھا جس پر آٹھ دس فاختائیں بیٹھی تھیں۔ مَیں ابھی نشانہ ہی باندھ رہا تھا کہ ایک بڑھیا عورت اندر سے نکلی اور اس نے بڑے جوش سے کہا ہمارے گاؤں

میں جیو ہتیا ہونے لگی ہے یہ کہتے ہوئے اس نے شور ڈال دیا اور ہمیں گالیاں دینی شروع کر دیں۔ ہم نے اس کے شور پر کسی فاختہ کو نہ مارا اور ہمیں کوئی تعجب بھی نہ ہوا کیونکہ ہم سمجھتے تھے کہ یہ غیر مسلم ہیں انہیں شکار ضرور بُرا معلوم ہوتا ہے۔ مگر ہمیں زیادہ حیرت اس بات پر ہوئی کہ وہی لڑکا جو ہمیں اپنے ساتھ لایا تھا اس کی آنکھیں بھی سرخ ہو گئیں اور وہ بڑے غصہ سے کہنے لگا چلے جاؤ یہاں سے تم یہاں کہاں شکار کے لئے آئے ہو۔ ہمیں حیرت ہوئی کہ یہ تو خود ہمیں شکار کے لئے لایا تھا اب یہی کہہ رہا ہے کہ چلے جاؤ یہاں آئے کیوں تھے۔ تو اصل بات یہ ہے کہ غیرت متعدی چیز ہوتی ہے۔ ہم جب شکار کر رہے تھے تو اُس پر بھی اثر پڑا اور اُس نے کہا کہ شکار بہت اچھا ہوتا ہے۔ پھر جب عورت نے شور مچایا کہ جیو ہتیا ہونے لگی ہے تو وہ بھی کہنے لگا کہ جیو ہتیا ہم برداشت نہیں کر سکتے تو جس قسم کا اثر ڈالا جائے اسی قسم کا اثر دوسرے پر پڑ جاتا ہے۔ یہی چیز ہے جو کامیابی کا باعث بنتی ہے۔

لوگ کہتے ہیں آج پراپیگنڈہ کا زمانہ ہے حالانکہ جب سے آدمؑ پیدا ہوا پراپیگنڈہ ہوتا چلا آتا ہے۔ شیطان نے بھی یہی کیا تھا کہ آدمؑ سے اس نے کہا اللہ تعالیٰ نے تمہیں اسی لئے شجرہ سے منع کیا ہے کہ تم اس طرح دائمی زندگی حاصل کر لو گے۔ اس نے کوئی دلیل نہیں دی صرف ایک بات تھی جو اس نے بار بار کہی کیونکہ بار بار کہنے سے اثر ہو جاتا ہے۔

ایک شخص نے اسی حقیقت کو لطیفہ کے رنگ میں بیان کیا ہے وہ لکھتا ہے کہ ایک پادری تھا اس پر کچھ مالی تنگی کے دن آئے تو وہ اپنی بکری بیچنے کے لئے اُسے بازار لے گیا۔ رستہ میں چند بدمعاشوں نے اسے دیکھا تو ان کا جی للچایا اور انہوں نے چاہا کہ کسی طرح بکری اس سے چھین لی جائے۔ ایک نے کہا یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ آخر یہ پادری ہے ہم اسے مار تو سکتے نہیں پھر بکری اس سے کس طرح چھینی جائے؟ دوسرے نے کہا ترکیب مَیں بتاتا ہوں تم عمل کرنے والے بنو۔ وہ چار پانچ آدمی تھے۔ اس نے سب کو سَو سَو دو دو سَو گز کے فاصلہ پر کھڑا کر دیا اور ہر ایک کو سکھایا کہ جب پادری تمہارے پاس سے گزرے تو تم اسے کہنا کہ پادری صاحب! یہ کتا کہاں لے چلے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ پادری صاحب جا رہے تھے کہ پہلا آدمی اُنہیں ملا۔ اُس نے کہا کیوں پادری صاحب! یہ کتا کہاں لے جا رہے ہیں آپ کی شایانِ شان

تو نہیں کہ ہاتھ میں کتا پکڑے پھریں۔ پادری نے کہا کچھ ہوش کی دوا کرو یہ تو بکری ہے بیچنے کے لئے بازار لے جا رہا ہوں۔ اس نے کہا ہوگی مگر مجھے تو کتا ہی نظر آتا ہے۔ خیر پادری بڑبڑاتے بڑبڑاتے آگے چلا گیا۔ سَو گز دور گیا ہوگا کہ دوسرا آدمی ملا کہنے لگا پادری صاحب! یہ کتا کہاں لے چلے ہیں وہ کہنے لگے کتا؟ یہ کتا ہے یا بکری؟ اس نے کہا آپ کی بات ماننی تو مشکل ہے مگر خیر آپ جو کہتے ہیں تو مان لیتا ہوں ورنہ ہے بالکل کتا۔ پادری صاحب پر کچھ اثر ہوگیا۔ کہنے لگے معلوم ہوتا ہے اس بکری کی شکل کتے سے بہت ملتی ہے اس لئے لوگوں کو دھوکا لگ رہا ہے۔ تھوڑی دور آگے گئے تو تیسرا آدمی ملا اور کہنے لگا پادری صاحب! یہ کیا حرکت ہے کہ کتا ہاتھ میں پکڑے جا رہے ہیں۔ پادری صاحب کہنے لگے کیا کروں ہے تو بکری مگر اس کی شکل کتے سے بہت ملتی ہے مَیں بھی جب دیکھتا ہوں تو کتا ہی نظر آتا ہے۔ گویا پہلے تو صرف اتنا ہی خیال تھا کہ دوسرے لوگ اسے کتا سمجھتے ہیں مگر اب فرمانے لگے کہ مجھے بھی یہ کتا ہی نظر آتا ہے وہ کہنے لگا پادری صاحب سچی بات یہ ہے کہ یہ ہے ہی کتا کسی نے آپ کی سادہ لوحی دیکھ کر دھوکا دے دیا ہے۔ کہنے لگا شاید کتا ہی ہو۔ تھوڑی دور اور آگے گئے تھے کہ چوتھا آدمی ملا اور اس نے کہا پادری صاحب! یہ کیا کتا پکڑا ہوا ہے کہنے لگا کچھ شبہ والی بات ہے۔ کبھی خیال آتا ہے کہ یہ بکری ہے اور کبھی خیال آتا ہے کہ یہ کتا ہے۔ وہ کہنے لگا آپ اِس شُبہ کو جانے دیں یہ واقعہ میں کتا ہے۔ آپ جب منڈی جائیں گے تو لوگ ہنسیں گے کہ عجیب آدمی ہے کتا بیچنے کیلئے آ گیا ہے۔ پادری صاحب گھبرا گئے انہوں نے بکری چھوڑ دی اور استغفار کرتے ہوئے گھر آ گئے اور افسوس کرتے رہے کہ میری نظر اب اتنی کمزور ہوگئی ہے کہ میں یہ شناخت بھی نہیں کرسکتا کہ میرے ہاتھ میں بکری ہے یا کتا۔ جب پادری صاحب واپس لوٹے تو انہوں نے بکری لے لی اور اس کو ذبح کر کے خوب کباب وغیرہ کھائے۔ یہ مثال اس بات کی ہے کہ پروپیگنڈا سے کچھ کی کچھ شکل بدل جاتی ہے۔

بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کی نظر حقائق کی طرف نہیں جاتی بلکہ دُہرائی تہرائی کی طرف چلی جاتی ہے۔ اگر دس بیس کسی چیز کو اچھا کہہ دیں تو وہ بھی اچھا کہنے لگ جاتے ہیں اور اگر وہ بُرا کہہ دیں تو وہ بھی بُرا کہنے لگ جاتے ہیں۔ مثلاً اِس وقت اسلام کو روپیہ کی ضرورت ہے

اگر شیطان کسی کو دھوکا دینا چاہے تو اس رنگ میں بھی دھوکا دے سکتا ہے کہ چندہ دے دینا ہی کافی ہے اِس کی کیا ضرورت ہے کہ ہمارے بچے قرآن حفظ کریں وہ نہیں جانتے کہ چندہ مانگا جاتا ہے انسانوں پر خرچ کرنے کے لئے، جب آدمی ہی نہیں ہوں گے تو خرچ کس پر ہوگا۔ روپیہ یا سکولوں پر خرچ ہوگا یا سلسلہ کے دوسرے کاموں پر۔ گورنمنٹ والی تنخواہیں تو نہیں دی جاسکتیں مگر بہرحال کچھ نہ کچھ تنخواہیں تو دینی پڑتی ہیں جن سے وہ گزارہ کرسکیں۔ اگر سکول میں لڑکے نہ ہوں گے تو چندہ کہاں خرچ ہوگا یا اگر مبلغین نہ ہوں گے تو چندہ کہاں خرچ ہوگا یہ شیطانی وسوسہ ہے جو انسان کو بہت سی نیکیوں سے محروم کر دیتا ہے۔ دو چار دن ہوئے میں نے اس کی مثال بھی سنائی تھی کہ ایک شخص جب نماز کی نیت کرتا تو کہتا ''چار رکعت نماز فرض پیچھے اِس امام کے''۔ پھر وسوسہ اس کے دل میں بڑھنا شروع ہوا یہاں تک کہ وہ امام کو دھکے دیتا اور کہتا کہ پیچھے اِس امام کے۔ اگر اسی طرح وساوس بڑھتے چلے جائیں تو ان کی حد بندی ہی نہیں ہوسکتی۔ پھر یہ وسوسہ پیدا ہونا شروع ہو جائے گا کہ ہم مختلف مواقع پر پندرہ پندرہ، بیس بیس دن قادیان جا کر رہتے ہیں اس کی بجائے کیوں نہ تجارت کرتے رہیں اور چندہ قادیان بھیج دیں۔ ہم اگر گئے تو مفت روٹی کھا کر آ جائیں گے۔ پھر یہ وسوسہ پیدا ہوگا کہ ہم جلسہ سالانہ پر کیوں جاتے ہیں یوپی، سی پی، بنگال، بہار اور حیدر آباد وغیرہ سے لوگ آتے ہیں اور فی کس پچاس ساٹھ بلکہ سَو روپیہ آمد و رفت پر خرچ ہو جاتا ہے اور وہ بھی تھرڈ کلاس ہیں۔ انٹر یا سیکنڈ کلاس میں دو تین سَو روپیہ فی کس خرچ آتا ہے۔ وقت الگ صرف ہوتا ہے اگر اس کی بجائے ہم روپیہ بھیج دیں تو وقت بھی بچ جائے گا اور تکلیف بھی نہیں ہوگی اور پھر پانچ چھ سَو آدمی یوپی، بہار اور بنگال وغیرہ کا جو جلسہ پر روٹی کھاتا ہے اس کا بوجھ بھی سلسلہ پر نہیں پڑے گا۔ غرض اسی طرح وساوس بڑھتے چلے جائیں گے اور نتیجہ یہ ہوگا کہ آہستہ آہستہ دین سیکھنے کی کوشش مر جائے گی اور ہمارے جلسہ کا بھی وہی حال ہوگا جو عرسوں کا ہوتا ہے جہاں تماشہ دیکھنے والے عیاش طبع لوگ جمع ہو جاتے ہیں اور باقی لوگ اپنے گھروں میں بیٹھے رہتے ہیں۔

غرض یہ بات یاد رکھو کہ وساوس انسان کو کہیں ورے نہیں رہنے دیتے بلکہ انتہائی حالت تک پہنچا دیتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی اپنے اشعار میں لکھا ہے کہ

بدگمانی سے تو رائی کے بھی بنتے ہیں پہاڑ
پر کے اک ریشہ سے ہو جاتی ہے کوّوں کی قطار[۲]

جب بھی انسان کا قدم اصول سے ہٹتا ہے اس کا نتیجہ خراب ہوتا ہے۔ بعض لوگ ہمیشہ پوچھتے رہتے ہیں کہ عید کے موقع پر قربانی کرنے کی بجائے اگر وہی رقم ہی چندہ میں دے دیں تو کیا حرج ہے؟ میں اُن کو یہی جواب دیا کرتا ہوں کہ جس دن تم نے یہ قدم اُٹھایا تم سمجھ لو کہ تمہارا ایمان گیا۔ جو دین کا حاکم ہے اُس کا کام ہے کہ وہ حکم کی شکل بتائے تمہارا کام نہیں کہ خود بخود اپنے لئے ایک نئی شاہراہ پیدا کرلو۔ اگر ہر شخص خود بخود اپنے لئے کام تجویز کر لے تو دین کچھ کا کچھ بن جائے۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا ہی حق ہے کہ وہ بتائے کہ تم نے نماز کس طرح پڑھنی ہے، روزہ کس طرح رکھنا ہے، حج کس طرح کرنا ہے، زکوٰۃ کس طرح دینی ہے، پھر جو کچھ وہ بتائے گا اسی میں برکت ہوسکتی ہے۔ اگر ہم قیاس سے کام لینے لگیں گے تو دین کی شکل کچھ کی کچھ بن جائے گی۔

ہمارے گھر میں چونکہ اکثر مستورات ملنے کے لئے آتی رہتی ہیں میں نے ہمیشہ دیکھا ہے کہ ان کی وجہ سے بعض دفعہ عجیب عجیب باتیں ظہور میں آتی ہیں۔ ابھی تھوڑے دن ہوئے ایک دن کھانے میں بے انتہا نمک تھا۔ میں سمجھتا ہوں جس قدر مقدار ہونی چاہئے تھی اُس سے دس بیس گنا زیادہ تھا۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ نمک اس طرح زیادہ ہوا ہے کہ ایک عورت آئی اور اُس نے ہنڈیا پکتی دیکھی تو نمک ڈال دیا، پھر دوسری آئی تو اس نے تھوڑا سا نمک ڈال دیا، اِسی طرح اور عورتیں آئیں اور نمک ڈالتی گئیں یہاں تک کہ نمک اِس قدر زیادہ ہوگیا کہ سالن کھانے کے ہی ناقابل ہوگیا۔

پس یہ طریق بڑا ہی غلط ہوتا ہے کہ ہر شخص اپنی اپنی رائے اور اجتہاد سے کام لینے لگ جائے۔ جب انسان ایک قدم جادۂ صداقت سے پیچھے ہٹاتا ہے تو پھر وہ پیچھے ہی جا پڑتا ہے۔ آخر سوال یہ ہے کہ کیا سب سے مقدم کام وہ نہیں جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا؟ جب سب سے مقدم کام وہی ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کیا تو جو شخص یہ کہتا ہے کہ صرف چندہ دینا ہی اصل چیز ہے وہ بدبخت دوسرے الفاظ میں یہ کہتا ہے کہ مَیں محمد رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم سے اچھا ہوں کیونکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی چندہ نہیں دیا زکوٰۃ آپ نے ساری عمر نہیں دی۔ اگر چندہ دینا ہی سب سے بہتر ہے تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تو نَعُوْذُ بِاللّٰہِ نہایت ہی ادنیٰ درجہ کی جنت میں جانے کا حق رکھتے ہیں۔ کروڑ پتی تاجر جو برلا قسم کے ہوں وہ تو عرش پر اللہ تعالیٰ سے باتیں کر رہے ہوں گے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نَعُوْذُ بِاللّٰہِ نیچے بیٹھے ہونگے۔ میں تو حیران ہوں کہ ایک مسلمان، مسلمان کہلاتے ہوئے اس قدر اندھا کس طرح بن جاتا ہے کہ وہ ایسی بات کہتا ہے جس میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسیح موعود علیہ السلام کی ہتک ہے۔

مجھے حیرت ہوتی ہے جب میں بعض لوگوں سے یہ سنتا ہوں کہ سلسلہ کو روپیہ کما کر دینا زیادہ اچھا ہے بجائے اس کے کہ سلسلہ کیلئے اپنی یا اپنے کسی لڑکے کی زندگی وقف کی جائے حالانکہ یہی وہ لوگ ہوتے ہیں جو اکثر نادہند ہوتے ہیں کیونکہ انبیاء کی ہتک کرنے والے کو نیکی کی توفیق کبھی نہیں ملتی۔ جو لوگ دین کے لئے اپنی زندگی وقف کرتے ہیں عارضی طور پر یا مستقل طور پر، وہی لوگ ہیں جن کو چندہ دینے کی بھی توفیق ملتی ہے۔ پس ان شیطانی وساوس سے بچنا چاہئے اور سمجھنا چاہئے کہ اس قسم کے وساوس کے بعد انسان کی جگہ جنت میں نہیں رہ سکتی۔ جب وہ پھسلا تو بہرحال نیچے ہی گرے گا۔ جو لوگ سیڑھیوں سے گرتے ہیں گرنے کے بعد ان کے اختیار میں نہیں ہوتا کہ وہ رُک سکیں، اتفاقی طور پر کوئی روک آ جائے تو اور بات ہے اسی طرح جب بھی کوئی شخص صراطِ مستقیم سے گرتا ہے وہ بہت نیچے چلا جاتا ہے یہ ایسی چیز نہیں جسے انسان سرسری نظر سے دیکھنے لگے۔ یہ معمولی بات نہیں بلکہ انسان کو تَحتَ الثَّرٰی میں گرا دینے والی بات ہے۔

صدر انجمن احمدیہ کو چاہئے کہ چار پانچ حفاظ مقرر کرے جن کا کام یہ ہو کہ وہ مساجد میں نمازیں بھی پڑھایا کریں اور لوگوں کو قرآن کریم بھی پڑھائیں۔ اسی طرح پر جو قرآن کریم کا ترجمہ نہیں جانتے اُن کو ترجمہ پڑھا دیں۔ اگر صبح و شام وہ محلوں میں قرآن پڑھاتے رہیں تو قرآن کریم کی تعلیم بھی عام ہو جائے گی اور یہاں مجلس میں بھی جب کوئی ضرورت پیش آئے گی تو ان سے کام لیا جا سکے گا۔ بہرحال قرآن کریم کا چرچا عام کرنے کے لئے ہمیں حفاظ کی سخت ضرورت ہے۔ انجمن کو چاہئے کہ وہ انہیں اتنا کافی گزارہ دے کہ جس سے وہ شریفانہ طور پر

گزارہ کرسکیں۔ پہلے دو چار آدمی رکھ لئے جائیں پھر رفتہ رفتہ اس تعداد کو بڑھایا جائے۔ حفاظ نہ ہونے کا یہ بھی نقصان ہے کہ جب رمضان آتا ہے تو تراویح پڑھانے والے نہیں ملتے اور باہر سے بُلانے پڑتے ہیں۔ اگر یہ لوگ قاری ہوں تو اور بھی اچھی بات ہے کیونکہ غیر قاری سے قرآن حفظ کرانے میں نقص رہ جاتے ہیں۔ ابھی تھوڑے دن ہوئے ایک بچہ میرے پاس آیا جو بہت ذہین معلوم ہوتا ہے۔ اُس کی بہن نے بتایا کہ میرے اس بھائی نے خود بخود آدھا سیپارہ گھر میں حفظ کرلیا ہے۔ میں نے کہا گھر میں اپنے طور پر حفظ نہ کرانا ورنہ تلفظ کی غلطیاں پختہ ہو جائیں گی اور پھر اُن کا دور کرنا مشکل ہوگا۔ جس نے قرآن کریم حفظ کرنا ہو اُس کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی اچھے حافظ یا قاری کی نگرانی میں حفظ کرے تا کہ وہ صحیح طور پر حفظ کر سکے۔

(الفضل ۷؍اپریل ۱۹۶۵ء)

---

۱ طٰهٰ: ۱۱۶

۲ درثمین اُردو صفحہ ۱۲۰ شائع کردہ نظارت اشاعت۔ ربوہ